© rasailojaraid.com

تبصرہ کتب

شناختی یا مذہبی کارڈ؟

تالیف و ترتیب : جی - ایم - فیلکس قاصر امرتسری

ناشر : ادارہ امن و انصاف، ایم - اے جناح روڈ - کراچی

صفحات : ۱۵۲

قیمت : ۲۵ روپے

ستمبر ۱۹۷۴ء میں جب ملک گیر عوامی تحریک کے نتیجے میں دستوری طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، اُن کے لیے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں نشستیں مخصوص کر دی گئیں۔ تولازم تھا کہ معاشرتی سطح پر بھی اُن کی "شناخت" ہو۔ اُن کا معاملہ پاکستان کی دوسری غیر مسلم اقلیتوں سے اس لیے مختلف ہے کہ ناموں سے لے کر بودو باش اور مذہبی مراسم تک مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار جمہور مسلمانوں کے قریب ہیں۔ (ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ مرزا صاحب نے "نبی" اور "مسیح موعود و مہدی معہود" کے دعوؤں کے باوجود اپنے اور اپنی امت کے لیے فقہ حنفی کی تقلید ضروری قرار دی ہے۔)

ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے دستوری ترمیم کے تقاضوں کے مطابق رجسٹریشن ایکٹ میں ردو بدل اور شناختی کارڈ کے ہر درخواست دہندہ کے لیے فارم میں لازمی قرار دیا کہ وہ اپنے مذہب کا واضح لفظوں میں اظہار کرے اور اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں ایک حلف نامے پر دستخط کرے۔ شناختی کارڈ کے درخواست فارموں میں یہ سب کچھ ہونے کے باوجود شناختی کارڈ پر مذہب کا اندراج اس لیے نہ ہو سکا کہ ۱۹۷۴ء سے پہلے کروڑوں افراد کو شناختی کارڈ جاری ہو چکے تھے اور کارڈوں کے دوبارہ اجراء پر قومی خزانے پر ناروا بوجھ پڑتا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے وطنِ عزیز کی دینی قوتوں سے وعدہ کیا تھا کہ موزوں وقت پر شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج ہو جائے گا۔ دینی قوتوں نے ایک سیکولرسٹ حکمران سے جو "رعایت" حاصل کر لی تھی، اس کے پیشِ نظر اُنھوں نے اس پر مزید دباؤ ڈالنا مناسب خیال نہ کیا۔

اس کے بعد وطنِ عزیز کی سیاست نے متعدد نشیب و فراز دیکھے، مگر کسی موقع پر یہ محسوس نہ کیا گیا کہ شناختی کارڈوں کا از سرِ نو اجراء ہو۔ ستمبر - اکتوبر ۱۹۹۲ء میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتظامی ضرورتوں کے تحت فیصلہ کیا کہ جعلی شناختی کارڈوں کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ تمام کارڈ کمپیوٹرائزڈ ہوں۔ اس موقع پر مرکزی مجلسِ عمل تحفظ ختم نبوت نے حکومت کو اِس جانب توجہ دلائی کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج ہو جانا چاہیے۔ وزارتِ مذہبی امور کا قلم دان مولانا عبدالستار خان نیازی کے ہاتھ میں تھا جنھوں نے مرزا قادیانی کے پیروکاروں کے بارے میں جمہور مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو سرکاری سطح پر منوانے کے لیے جدوجہد کی تھی۔ حکومت میں اُن جیسے افراد کی موجودگی کے باوجود لبرل - سیکولر لابی بھی کمزور نہ تھی۔ حکومت اپنی اندرونی تقسیم کے باعث شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے مسئلے پر کوئی دو ٹوک فیصلہ نہ کر سکی اور مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو اسلام آباد میں احتجاجی مظاہرے کا پروگرام بنایا، مگر اس سے پہلے کہ جمہور مسلمان جذبات کے اظہار کے لیے سڑکوں پر آتے، وفاقی حکومت نے مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ (۱۳ اکتوبر ۱۹۹۲ء)

وطنِ عزیز کے لبرل - سیکولر طبقے نے، جو تعداد کے لحاظ سے محدود مگر ذرائع ابلاغ اور بیورو کریسی کی حد تک خاصا مؤثر ہے، شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کو پاکستان کا مسئلہ نمبر ایک بنا دیا۔ حالانکہ یہ کوئی ان ہونی یا نئی بات نہ تھی۔ سعودی عرب تو ایک طرح کی مذہبی پہچان رکھتا ہے، مگر انڈونیشیا کے حکمرانوں کو اِس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں، مگر ان دونوں ملکوں میں شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں کسی طبقے سے امتیازی سلوک بنیادی طور پر ایک سماجی مسئلہ ہے، سیاسی نہیں۔ دستور اور قوانین کی حد تک مساوی حیثیت پر کتنا ہی زور کیوں نہ دیا جائے، اگر سماجی طور پر فضا اِس کے حق میں نہیں تو کاغذی مساوات کبھی عملی روپ اختیار نہیں کر سکتی۔ اور اگر معاشرہ رواداری، برداشت اور فراخ دلی کی خوبیوں سے متصف ہے تو شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج کوئی مسئلہ پیدا کرنے کی جگہ پیچیدگیاں دور کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

لبرل - سیکولر طبقے کے ساتھ وطنِ عزیز کی مسیحی اقلیت نے شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کی شدید مخالفت کی۔ اِس سلسلے میں احتجاجی سیاست کے تمام حربے استعمال کیے گئے۔ بیانات جاری کیے گئے، پوسٹر چھاپے گئے، جلوس نکالے گئے، ہڑتالیں کی گئیں، گرفتاریاں پیش کی گئیں، یہ سلسلہ وطنِ عزیز کی جغرافیائی حدوں سے دُور لندن اور نیویارک تک پھیل گیا۔ وزیر اعظم برطانیہ کی رہائش گاہ کے سامنے بھوک ہڑتال ہوئی اور ایک مظاہرہ اقوام متحدہ کے صدر دفاتر کے سامنے نیویارک میں ہوا۔ شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے خلاف اقلیتی احتجاج کامیاب ثابت ہوا اور آج شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج نہیں ہے۔ مسیحی رہنما فادر آرنلڈ ہیرڈیا نے زیر نظر کتاب "شناختی یا مذہبی کارڈ؟" کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ "اِس تحریک کے دوران پاکستانی مذہبی اقلیتوں نے ایک تاریخ مرتب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جو کچھ اس سلسلے میں کیا گیا، وہ تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ ہے۔"

مسیحی اقلیت نے احتجاجی تحریک چلا کر ایک مقصد حاصل کیا اور بجا طور پر اُسے اپنے "کارنامے" پر فخر ہے۔ زیرِ نظر کتاب اِسی کامیابی کی رُوداد ہے۔ اِس کام کا آغاز مسیحی رہنما بونی مینڈس (ٹوبہ ٹیک سنگھ) نے کیا، بعد ازاں جناب قاصر امرتسری نے اِسے موجودہ شکل دی۔ کتاب اخبارات میں شائع شدہ خبروں، کالموں، تصویروں اور کارٹونوں کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں "قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ" (ص ۳-۶) کے زیرِ عنوان ایک جائزہ ہے۔ اِس کے بعد کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے حسبِ ذیل عنوانات کے تحت تراشے جمع کیے گئے ہیں۔

*قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ

*قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کا اندراج آئینِ پاکستان کی خلاف ورزی ہے۔

*مقامی ردِ عمل

*عالمی ردِ عمل

*اہلِ قلم، علماء اور دانش وروں کی نگارشات

آخر میں ایک "ضمیمہ" ہے جس میں مذکورہ بالا حصّوں میں درج شدہ تراشوں کو مختلف انداز میں جوڑ دیا گیا ہے۔

جہاں تک مسیحی اور وطنِ عزیز کے سیکولر - لبرل طبقے کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے، زیر نظر کتاب سے پورے طور پر سامنے آ جاتا ہے، مگر کیا اخبارات و جرائد میں صرف یہی کچھ چھپا تھا؟ کسی دینی جریدے کی کوئی تحریر شامل نہیں۔ وطنِ عزیز کے دینی طبقے کے بیانات تو ہیں، مگر اُن کا مدلّل نقطۂ نظر سامنے نہیں آ سکا ہے۔ اِس بنیادی اور بڑی خامی کے باوجود "شناختی یا مذہبی کارڈ؟" پاکستان کی رواں تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس لحاظ سے تراشوں کا مفید مجموعہ ہے کہ دو ماہ کے اخبارات کی ورق گردانی سے بچا جا سکتا ہے، تاہم مسلّم نقطۂ نظر کے لیے یہ مایوس کن مجموعہ ہے۔

کتاب مناسب انداز میں بڑے سائز میں چھپی ہے، اگرچہ تصاویر واضح نہیں اور کہیں کہیں الفاظ مدھم ہیں۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com